علامہ اقبالؒ اور قادیانیت

جناب اختر راہی۔ ایم اے

علامہ اقبالؒ نے قادیانیت کے بارے میں اپنے نظریات کی تبدیلی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے یعنی باشعور انسانوں کی آراء و افکار میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ علامہ اقبال جو قادیانیت سے اچھی توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے۔ حقیقت آشکار ہونے کے بعد پکار اٹھے کہ قادیانی امت کو مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ علامہ اقبال کے ان متباین نظریات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ کے ایک کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ نور محمد ایک درویش منش انسان تھے۔ علامہ کے بڑے شیخ عطا محمد قادیانی عقائد رکھتے تھے، قادیانی روایت کے مطابق علامہ کے والد بھی قادیانی تھے[1] صحیح یہ ہے کہ انہوں نے مرزا کی بیعت کی تھی مگر بعد میں خاموش ہو گئے تھے[2]

علامہ کی سیرت و کردار پر ان کے استاد مولوی میر حسن کا خاصا اثر تھا۔ مولوی صاحب سیالکوٹ کی معروف شخصیت تھے اور ان کے مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نور الدین سے مخلصانہ روابط تھے۔ عبدالمجید سالک رقمطراز ہیں:

> "مرزا غلام احمد قادیانی اور مولوی حکیم نور الدین بھی شاہ صاحب (میر حسن) کی بے حد عزت کرتے تھے اور مرزا صاحب تو ایک مدت تک سیالکوٹ میں رہ بھی چکے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب کے داماد سید خورشید انور بعارضہ دق بیمار ہو گئے۔ شاہ صاحب انہیں قادیان لے گئے تاکہ حکیم نور الدین سے علاج کرائیں۔ قادیان پہنچ کر مسجد میں گئے اور اس دریچے میں جا بیٹھے جہاں مرزا صاحب

بیٹھے تھے، لوگ ان کو نہ جانتے تھے۔ انہوں نے انہیں وہاں سے اٹھا دیا۔ لیکن وہ پھر دریچے کے پاس ہی آبیٹھے۔ مرزا صاحب آئے تو سلام کا معمولی جواب دیکر بیٹھ گئے اور متوجہ نہ ہوئے۔ شاہ صاحب نے کہا غالباً آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ مرزا صاحب نے غور سے دیکھا تو بڑی محبت اور تپاک سے ملے اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کو بلا کر کہا: شاہ صاحب کو اچھی جگہ ٹھہراؤ، دو باتوں کی خاص طور پر تاکید کی۔ ایک یہ کہ شاہ صاحب کو صبح ہی صبح بھوک لگ جاتی ہے، کیونکہ یہ عادتاً کالج جانے سے پہلے کھانا کھا لیتے ہیں، اس لئے ان کے حسب خواہش صبح ہی صبح کھانا دیا جائے۔ دوسرے انہیں اچھی کتابیں پڑھنے کیلئے دی جائیں، ساتھ ہی کہا صبح چائے میرے ساتھ پئیں۔ بہت خاطر تواضع کی اور جب شاہ صاحب واپس جانے لگے تو مرزا صاحب دو میل یکے کے ساتھ ساتھ آئے۔ پکی سڑک پر پہنچ کر کہا کہ میں کچھ باتیں علیحدگی میں کرنا چاہتا ہوں، شاہ صاحب نے ایک طرف جا کر ان کی باتیں سنیں، بعد میں معلوم نہ ہو سکا کہ کیا باتیں ہوئیں۔ نہ شاہ صاحب ہی نے بیان کیا[۶]"

مولوی میر حسن کے "قادیانی امت کے دماغ" حکیم نورالدین سے بھی اچھے تعلقات تھے۔ سالک ہی کی روایت ہے:

"قادیان کے مولوی حکیم نورالدین جموں میں رہتے تھے اور اکثر شاہ صاحب سے ملنے کیلئے سیالکوٹ جایا کرتے تھے"۔[۷]

میر حسن صاحب کے خاندان کے کئی افراد قادیانی عقائد رکھتے تھے اور وہ خود قادیانی راہنماؤں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے مطابق علامہ اقبال کے گھر میں قادیانی عقائد کا چرچا تھا۔ اور انکے استاد محترم بھی قادیانیوں کے بارے میں رواداری برتتے تھے۔ اس ماحول میں علامہ نے قادیانی تحریک کے مالہٗ وما علیہ سے واقفیت حاصل کئے بغیر اچھی رائے قائم کرلی۔ ان کی یہ رائے بہت حد تک شیخ عطا محمد (برادر بزرگ) کی شفقت اور تعلیمی کفالت پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال، عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میری خواہش ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو۔ اس ملک سے بھاگ جاؤں ------ مجھے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ میں اپنے بھائی کے احسانات سے بے حد زیر بار ہوں[۸]"

۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا غلام احمد قادیانی راہیٔ ملکِ عدم ہُوا اور قادیانی اُمت کی راہنمائی حکیم نورالدین کے سپرد کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب حکیم نورالدین سے اکثر استفسار کرتے تھے مثلاً:

"جب علامہ اقبال کی دوسری شادی ہوگئی اور ابھی رخصتی باقی تھی، ڈاکٹر جاوید اقبال کی والدہ کے بارے میں علامہ اقبال کو گمنام خطوط ملے کہ ان کا کردار بے داغ نہیں ہے۔ اس دور میں علامہ نے طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن بعد ازاں تحقیق کے بعد تمام الزامات جھوٹ نکلے تو علامہ بیگم کو لانے پر تیار ہو گئے، انہیں شبہ تھا کہ وہ چونکہ طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس لئے مبادا شرعاً طلاق ہی ہو چکی ہو۔ انہوں نے مرزا جلال الدین کو مولوی حکیم نورالدین کے پاس قادیان بھیجا کہ مسئلہ پوچھ آؤ۔"

علامہ اقبال نے بڑے صاحبزادے آفتاب احمد کو قادیان بغرض تعلیم بھیجا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے عنوان سے لیکچر دیا۔ جس میں انہوں نے کہا:

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات نے ڈالا ہے۔ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے۔ اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس نمونے کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔"

کشمیر میں ۷۷ فیصد مسلمان آبادی تھی، مگر ڈوگرہ حکمرانوں نے اکثریت کو تشدد اور ظلم و ستم کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ مسلمان معاشی طور پر پسماندہ، سیاسی طور پر غیر منظم اور تعلیمی لحاظ سے ہندو رعایا سے کوسوں پیچھے تھے، کشمیر کی فوج میں ڈوگروں کے علاوہ راجپوت، نیپال کے گورکھے اور پنجاب کے سکھ تو بھرتی ہو سکتے تھے، لیکن کسی کشمیری مسلمان کو بھرتی کرنے کی کلیتاً ممانعت تھی، مسلمان بنیادی حقوق سے محروم تھے، عبادات تک آزادی سے ادا نہیں کر سکتے تھے، جو غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہوتا اس کی جائیداد ضبط کر لی جاتی تھی، پریس کی آزادی عنقا تھی۔ مختصر یہ کہ جنگل کا قانون رائج تھا۔ بات شروع کرنے پر ۱۹۳۱ء کے نصف اول میں مہاراجہ کی حکومت نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ ہزاروں افراد کو پابند سلاسل و زندان کیا گیا۔ ریاستی مسلمانوں میں تحریک آزادی پھیلنے لگی اور ریاست میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت نے حالات کو بگڑتے دیکھ کر برطانوی فوج طلب کر لی۔

کشمیر میں تحریک آزادی کی تائید و حمایت کے لئے شمالی ہند کے مسلمانوں نے دو تحریکیں شروع

گئیں۔ پہلی تحریک کی نوعیت انقلابی اور مجاہدانہ تھی جو مجلس احرار اسلام کی سرکردگی میں جاری ہوئی۔ مجلس احرار اسلام نے ۱۹۳۱ء کے وسط میں اس امر کا فیصلہ کیا کہ وہ کشمیری مسلمانوں کو جائز حقوق دلانے کی خاطر کسی بڑے سے بڑے اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ ابتدا میں احرار کے ایک وفد نے مولوی مظہر علی اظہر کی رہنمائی میں وزیر اعظم کشمیر سے ملاقات کی لیکن گفت و شنید بے نتیجہ رہی۔ ناکام گفت و شنید کے بعد احرار نے عوامی سطح پر ایک تحریک چلائی اور حکومت کے امتناعی احکام کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں قافلہ در قافلہ رضاکار کشمیر جانے لگے۔ جو رضاکار سرحد عبور کر کے کشمیر کی حدود میں داخل ہوتے تھے وہ جیل میں ڈال دیئے جاتے تھے مگر ان ہتھکنڈوں سے تحریک رکنے کی بجائے مزید تیز ہوتی گئی، آخر برطانوی حکومت نے مہاراجہ کی درخواست پر ریاست کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہی رضاکاروں کی گرفتاری شروع کر دی۔[۸]

کشمیری مسلمانوں کے لئے جو دوسری تحریک چلی وہ آئینی اور قانونی تھی اور یہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کہلائی۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں تشکیل پائی۔ کمیٹی کے پہلے سربراہ قادیانی امت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد چنے گئے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں:

"کمیٹی کی تشکیل کشمیر میں غیر متوقع واقعات کے اچانک رونما ہونے پر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہوئی تھی اور اس وقت یہ خیال تھا کہ اس قسم کی کمیٹی کی ضرورت بہت جلد ختم ہو جائے گی، اس لئے کمیٹی کا کوئی نظام مرتب نہیں کیا گیا تھا، اور صدر کو آمرانہ اختیارات دے دئے گئے تھے۔"[۹]

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا مقصد مظلوم کشمیری مسلمانوں کی امداد تھا، مگر بشیر الدین محمود نے کمیٹی کو کشمیر کے معاملات تک محدود رکھنے کی بجائے قادیانیت کا Emage بلند کرنے کے لئے آلہ کار بنا لیا، انہوں نے ایک قادیانی عبدالرحیم درد کو کمیٹی کا سیکرٹری نامزد کر دیا اور قادیان میں ۹ اگست ۱۹۳۱ء کو کمیٹی کا مرکزی دفتر قائم کر دیا۔

کشمیر کمیٹی میں قادیانیوں کا رول محض مسلمانوں سے ہمدردی کے سبب سے نہ تھا بلکہ ناقابل تردید تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی وہ اپنے آقا "برطانیہ" کا حق نمک خواری ادا کر رہے تھے۔

برصغیر کے مسلمانوں کے اجتماعی مسائل سے قادیانی ہمیشہ غیر متعلق رہے، انہوں نے برطانوی اقتدار کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۱۹۱۸ء کے بعد جب مسلمانان برصغیر ترکی کے خلاف برطانوی جارحیت پر سراپا احتجاج تھے اور ملک کے کونے کونے میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم ہو رہی تھیں تو ترکی کی شکست اور بغداد پر برطانوی قبضے کی خوشی میں قادیانی امت نے "جشن فتح" منایا اور چراغاں کیا گیا۔[۱۰]

برصغیر کے مسلمانوں کا اہم مسئلہ حصولِ آزادی تھا تاکہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ قادیانی امت کا ردِ عمل یہ تھا کہ برطانوی اقتدار قائم رہے۔ ۱۹۳۵ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن سے سر ظفر اللہ خان کی والدہ نے ملاقات کی، اور سر ظفر اللہ خان کی والدہ نے لارڈ ولنگڈن کو کہا:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ہمارے سلسلہ کے بانی تھے، ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم سلطنت برطانیہ کے وفادار رہیں اور اس کے لئے دعا کرتے رہیں، کیونکہ اسکی عملداری میں ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے اور ہم بغیر خوف و خطر کے اپنے دین کے احکام بجا لاسکتے ہیں"[۱۱]

جب انگریزوں کا بوریا بستر سمیٹ کر جانا یقینی ہوگیا تو انہوں نے مسلمانانِ برصغیر کی خواہش اور مطالبے کے برعکس کانگریس کے اکھنڈ بھارت کا ساتھ دیا۔ مگر جب ان کی تمام سازشانہ کارروائیوں کے باوجود مسلمانانِ برصغیر کی خواہش "پاکستان" کی صورت میں متشکل ہوگئی تو اس کے بعد بھی انہوں نے اکھنڈ بھارت کی جدوجہد جاری رکھی جو تا حال جاری ہے۔

اسلامی مملکت میں قادیانیوں کا مستقبل تاریک ہے اور وہ اُن فائدوں سے محروم ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے نام پر اُن کو حاصل ہیں۔

تاریخی پس منظر میں کشمیر کمیٹی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اُس زمانے میں برطانوی حکومت کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ روس کشمیر کے راستے اپنے اشتراکی اثرات برصغیر میں نہ پھیلائے اس لئے سرحدی علاقوں میں ایسی وفادار جماعتوں کی نشو و نما ضروری تھی جو ایک طرف برطانوی حکومت کی وفاداریوں دوسری طرف تمام سرگرمیوں سے برطانوی حکومت کو باخبر رکھیں۔ اس مقصد کے لئے قادیانیوں سے بہتر کوئی دوسری جماعت نہ ہوسکتی تھی۔[۱۲]

کمیٹی کی طرف سے کشمیری مسلمانوں کی جمہوری آزادیوں کے لئے برصغیر میں کشمیر ڈے (KASHMIR DAY) منایا گیا۔ لاہور میں علامہ اقبال کی صدارت میں جلسہ ہوا، جلوس نکالا گیا۔ جلسہ و جلوس میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔[۱۳]

مرزا بشیر الدین کے مشکوک طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے باخبر مسلمانانِ کشمیر چنداں خوش نہ تھے۔ علماء کا طبقہ قادیانی امت کی ریشہ دوانیوں سے اس حد تک بیزار تھا کہ انہیں ہر حال میں تحریکِ کشمیر سے علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ میر واعظ محمد یوسف شاہ نے اپنے ساتھی کشمیری راہنماؤں شیخ عبداللہ وغیرہ پر واضح کر دیا تھا کہ قادیانی امت کو سیاسی تحریک سے جدا رکھا جائے۔ کمیٹی کے ارکان پر بھی حقیقت واضح ہوگئی کہ مرزا صاحب

کمیٹی کی آڑ میں قادیانیت کی توسیع کے ارادے رکھتے ہیں، آخر لاہور کے ۱۳ ارکان کمیٹی نے بشیر الدین محمود کو ایک تحریر بھیجی کہ وہ کمیٹی کا اجلاس طلب کر کے از سر نو انتخاب کرائیں۔

۷ مئی ۱۹۳۳ء کو اجلاس ہوا اور مرزا صاحب نے از خود استعفیٰ پیش کیا جو منظور ہو گیا، نئے انتخابات تک علامہ اقبالؒ کو قائم مقام صدر اور ملک برکت علی کو سیکرٹری مقرر کیا گیا اور ایک دستور کمیٹی بنا دی گئی۔

نئی کمیٹی کا ایک دوسرا اجلاس ہوا اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کو توڑنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ ڈاکٹر اقبالؒ نے ۲۰ جون ۱۹۳۳ء کو اخباری بیان سے وضاحت کی :

"بدقسمتی سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے کے امیر کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ احمدی وکلاء میں سے ایک صاحب نے جو میر پور کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے۔ حال ہی میں اپنے ایک بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ وہ کسی کشمیر کمیٹی کو نہیں مانتے اور جو کچھ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کیا وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ تمام احمدی حضرات کا یہی خیال ہوگا۔ اور اس طرح میرے نزدیک کشمیر کمیٹی کا مستقبل مشکوک ہو گیا۔"[۱۴]

کشمیر کمیٹی کے ارکان میں نظام عمل کے بارے میں "بے تکے اختلافات" پیدا ہو گئے تو :

"ان حالات کے پیش نظر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ کمیٹی میں اب ہم آہنگی کے ساتھ کام نہیں ہو سکتا اور ہم سب کا مفاد اسی میں ہے کہ موجودہ کشمیر کمیٹی کو ختم کر دیا جائے۔"[۱۵]

علامہ اقبالؒ نے اس بکھیڑے سے علیحدگی اختیار کر لی تاہم کشمیر کمیٹی کی ضرورت و اہمیت کے لئے نئی کشمیر کمیٹی کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ مسلمانان لاہور نے ایک نئی کشمیر کمیٹی بنا لی۔ قادیانی امت یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں تھی کہ پہلی "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" ختم ہو چکی ہے۔ انہوں نے ایک نئی چال چلی اور ۳ ستمبر ۱۹۳۳ء کو لاہور میں سابق کشمیر کمیٹی کے بعض راہنماؤں کا جلسہ ہوا، اور علامہ اقبالؒ کو صدارت کی پیشکش کی مگر علامہ نے قادیانی ریشہ دوانیوں کے پیش نظر علیحدہ رہنا ہی مناسب خیال کیا۔ بعد میں قادیانی امت نے سابق آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بجائے "آل انڈیا کشمیر ایسوسی ایشن" کا نام دیا جو برائے نام ۳۷ء تک موجود رہی۔

اس علامہ اقبالؒ نے عمیق غور و فکر کے بعد "قادیانیت اور اسلام" کے موضوع پر بیان دیا وہ لکھتے ہیں:

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں یعنی وحدت الوہیت

پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم کی ختم رسالت پر ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کیلئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔ مثلاً برہمو سماج خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں۔ لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم کی ختم نبوت کو نہیں مانتے جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا، لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید یا ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں [۲۹]"

ایک دوسرے مضمون میں رقمطراز ہیں:

"مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہیں جو اس کی وحدت کیلئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو۔ لیکن اپنی بنا نئی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا۔ اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے [۳۰]"

علامہ اقبالؒ نے مضامین و بیانات کے علاوہ اپنے کلام میں بھی "قادیانیت" کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔

"ضرب کلیم" پہلی بار جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں "نبوت" کے عنوان سے لکھتے ہیں سہ

میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہ — مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر — فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام

عصرِ حاضر کی شبِ تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفتِ ماہ تمام

وہ نبوت ہے مسلماں کیلئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

اسی طرح "انگریز کی پرستار امت" کیطرف بایں الفاظ اشارہ کیا ہے

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اسکی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

"پس چہ باید کرد" میں خوب لکھا ہے

گفت دیں را رونق از محکومی است
زندگانی از خودی محرومی است

دولتِ اغیار را راحت شمرد
رقص ہا گرد کلیسا کرد و مرد

ماخذ و حوالہ جات

۱؎ تاریخ احمدیت جلد ہشتم ص ۱۹	دوست محمد شاہد - ربوہ
۲؎ تحریکِ احمدیت اور علامہ اقبالؒ ص ۱۴	اختر حسین گیلانی - احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور
۳؎ ذکرِ اقبال ص ۴۳	عبد المجید سالکؔ - بزمِ اقبال لاہور
۴؎ ذکرِ اقبال ص ۴	" " " "
۵؎ اقبال نامہ جلد ۲	د اقبال	عطیہ فیضی - اقبال اکیڈمی کراچی
۶؎ ذکرِ اقبال ص ۱۴	سالکؔ
۷؎ ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر	ڈاکٹر اقبال (ترجمہ مولانا ظفر علی خان) ص ۱۶
۸؎ تفصیل کے لئے "تحریکِ کشمیر"	تاج الدین انصاری - مجلسِ احرارِ اسلام - ملتان
۹؎ حرفِ اقبال ص ۲۲۱	ڈاکٹر اقبال
۱۰؎ منیر رپورٹ ص ۱۹۶	
۱۱؎ میری والدہ ص ۸۳	سر ظفر اللہ خان - محمد احمد اکیڈمی رام گلی ۳ لاہور
۱۲؎ تفصیل کیلئے "مسئلہ کشمیر"	ممتاز احمد - المحراب - سمن آباد - لاہور
۱۳؎ کشمیر کی کہانی	ظہور احمد - مکتبہ لاہور - بیڈن روڈ - لاہور
۱۴؎ حرفِ اقبال ص ۲۲۱	ڈاکٹر اقبال
۱۵؎ ایضاً ص ۲۲۲	" "
۱۶؎ " ص ۱۳۶ - ص ۱۳۷	" "
۱۷؎ " ص ۱۲۲ - ص ۱۲۳	" "